۳۰

کارکنان جماعت کو نہایت اہم اور ضروری ہدایات

(فرمودہ ۲۱- ستمبر ۱۹۳۴ء - بمقام قادیان)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

آج میں مرکزی کارکنوں کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جب تک وہ اپنی اصلاح نہ کریں گے اُس وقت تک دوسروں کی اصلاح ہونا بہت مشکل ہے اس بارہ میں میرے سب سے پہلے مخاطب ناظرانِ سلسلہ ہیں- ناظروں پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہے کیونکہ وہ سلسلہ احمدیہ میں وہی حیثیت رکھتے جو دُنیوی حکومتوں میں وزارتیں رکھتی ہیں- جس طرح وزارتوں کی خرابی اور اصلاح سے ملک کی خرابی اور اصلاح وابستہ ہوتی ہے اسی طرح ناظروں کی خرابی اور اصلاح کے ساتھ جماعت کی خرابی اور اسی طرح اصلاح وابستہ ہے- ایسے آدمی بہت کم ہوتے ہیں جن کا خدا تعالیٰ سے براہِ راست تعلق ہو- زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو بھیڑچال چلتے ہیں- اگر انہیں کہا جائے کہ دین کی خدمت کرو تو وہ بھی سوچیں گے کہ آیا اس حکم پر فلاں فلاں آدمی بھی عمل کررہے ہیں یا نہیں- اگر وہ دیکھیں کہ دوسرے لوگ بھی وہی کام کررہے ہیں تو وہ بھی کرنے لگ جائیں گے اور اگر دیکھیں کہ اور کوئی کام نہیں کرتے تو وہ بھی نہیں کریں گے- وہ خدا سے خدا کیلئے محبت نہیں کرتے بلکہ لوگوں کی پیروی میں خدا تعالیٰ کی محبت کا دم بھرتے ہیں- جس شخص کا خدا تعالیٰ سے براہ راست تعلق ہو وہ یہ نہیں دیکھا کرتا کہ لوگ کیا کرتے ہیں یا کیا نہیں کرتے بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ خدا نے مجھ پر کیا ذمہ داری رکھی ہے- اگر ساری دنیا مخالف ہو تو وہ پرواہ نہیں کرتا اور اگر دوسرے لوگ

بھی اس جیسا کام کرنے لگیں تو وہ ست نہیں ہوجاتا اور دراصل یہی ایمان کا اعلیٰ مقام ہے اس سے پہلے انسان کا ایمان دوغلی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی مثال بالکل اس خچر کی سی ہوتی ہے جو آدھی گھوڑا اور آدھی گدھا ہوتی ہے۔ ایسے انسان کا نفس شرارتوں سے پاک نہیں ہوتا۔ اور اس کے متعلق ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ وہ گر جائے لیکن جب انسان کی نظر بندوں پر نہیں رہتی بلکہ خدا پر جا پڑتی ہے اور وہ یہ نہیں دیکھتا کہ فلاں جُرم کی فلاں کو سزا ملی ہے یا نہیں بلکہ وہ خدا کیلئے ہر جُرم سے نفرت کرتا ہے اس وقت وہ خدا کے فضلوں کا مستحق ہو کر مومن بن جاتا ہے۔

مَیں نے ایک مثال کئی دفعہ سنائی ہے۔ رسول کریم ﷺ جب جنگ بدر کیلئے نکلے تو پہلے آپ نے صحابہؓ کو نہ بتلایا کہ آپ جنگ کیلئے جا رہے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ لڑائی ہوگی مگر زیادہ تر لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ لڑائی نہیں ہوگی۔ مدینہ سے کچھ دور جب آپ باہر نکل آئے تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ پہلے تو میں نے نہیں بتایا تھا کیونکہ خداتعالیٰ کی طرف سے مجھے اعلان کرنے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن اب میں بتاتا ہوں کہ ہماری کفار سے جنگ ہوگی۔ یہ کہہ کر آپ نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم آجائے تو اس وقت رائے لینے کا تو سوال ہی کوئی نہیں ہوتا۔ اصل بات یہ ہے کہ مدینہ والوں سے آپ کا معاہدہ تھا کہ اگر مدینہ کے اندر رہتے ہوئے مسلمانوں پر کوئی فوج حملہ آور ہوگی تو وہ ساتھ دیں گے اور اگر باہر جنگ ہوئی تو وہ ساتھ دینے پر مجبور نہ ہوں گے[۱]۔ تو چونکہ یہ انصار سے معاہدہ تھا اور خداتعالیٰ کے انبیاء معاہدات کی سختی سے پابندی کرتے ہیں اس لئے آپ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ ان کی کیا رائے ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر انصار معاہدہ پر اصرار کریں تو انہیں رخصت کردیا جائے۔ رسول کریم ﷺ نے جب دریافت کیا کہ اے لوگو! تمہاری کیا رائے ہے؟ تو یکے بعد دیگرے مہاجرین نے کھڑا ہونا شروع کیا اور کہا یَارَسُوْلَ اللہ! ہماری رائے کیا ہے بس چلئے اور جنگ کیجئے لیکن ہر صحابی جب رائے دینے کے بعد بیٹھ جاتا تو رسول کریم ﷺ پھر فرماتے اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ اس پر پھر کوئی مہاجر اُٹھتا اور کہتا یَارَسُوْلَ اللہ! جب جنگ کیلئے خدا کا حکم آچکا تو اب ایک ہی رائے ہے اور وہ یہ کہ ان سے لڑا جائے۔ مگر جب وہ بیٹھ گیا تو رسول کریم ﷺ پھر فرماتے۔ اے لوگو! مجھے رائے دو۔ تب انصار میں سے ایک شخص اُٹھا اور اس نے کہا

یَارَسُوْلَ اللہ! ہمارا تو یہ خیال تھا کہ ہمارے بولنے کی ضرورت ہی نہیں مگر ہم سمجھ رہے ہیں کہ شاید آپ کی مراد ہم انصار سے ہے کیونکہ مہاجر کے بعد مہاجر اُٹھ رہا ہے اور لڑائی کے متعلق اپنی رائے دے رہا ہے مگر آپ پھر بھی فرمار ہے ہیں کہ اے لوگو مجھے رائے دو۔ اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید آپ کا منشاء یہ ہے کہ ہم انصار بولیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم ٹھیک سمجھے میری مراد تم انصار سے ہی ہے۔ اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللہ! شاید آپ ہمارے اس معاہدہ کی طرف اشارہ کررہے ہیں جو ہم میں اور آپ میں ہوا تھا کہ اگر مدینہ پر کوئی دشمن حملہ آور ہوا تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے ورنہ نہیں۔ یَارَسُوْلَ اللہ! وہ اس وقت کا معاہدہ تھا جب اسلام ابھی ہمارے دلوں میں پوری طرح داخل نہیں ہوا تھا اور اسلامی احکام کی عظمت کو ہم نے پورے طور پر نہیں سمجھا تھا اب آپ کو دیکھنے اور آپ کے پاس رہنے سے ہم نے سمجھ لیا ہے کہ اسلام کی کیا حقیقت ہے۔ پس یَارَسُوْلَ اللہ! کیا اس کے بعد بھی کسی معاہدہ کا سوال رہ جاتا ہے۔ اُس وقت رسول کریم ﷺ سمندر کی طرف بڑھ رہے تھے اس نے سمندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یَارَسُوْلَ اللہ! آپ ہمیں حکم دیجئے ہم ابھی اس میں گھوڑے ڈالنے کیلئے تیار ہیں اور اگر لڑائی پیش آئی تو یارسول اللہ! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گذرے[2]۔

ایک صحابیؓ کہتے ہیں میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ تیرہ یا سترہ لڑائیوں میں شریک رہا (صحیح تعداد مجھے یاد نہیں) لیکن ہمیشہ میرے دل میں خواہش رہی کہ اگر ان میں سے ایک بھی جنگ مجھے نصیب نہ ہوتی مگر یہ فقرہ جو اس صحابیؓ نے کہا میرے منہ سے نکل جاتا تو میں اپنے آپ کو ان جنگوں میں شریک ہونے سے زیادہ خوش قسمت سمجھتا[3]۔ مجھے بھی اپنی زندگی کا ایک فقرہ بہت پیارا لگتا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی زندگی میں بہت بڑے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے مگر میرا وہ فقرہ ان سارے موقعوں سے جو مجھے ملے زیادہ قیمتی اور زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ وہ، وہ فقرہ ہے جو میری زبان سے اُس وقت نکلا جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاہور میں وفات ہوئی اُس وقت باہر گلی میں مخالف سوانگ بھر رہے اور ہنسی اور ٹھٹھا کررہے تھے۔ احمدیوں کے دل پریشان تھے اور ایک سخت تکلیف کی حالت درپیش تھی۔ ایسے وقت جبکہ میں ابھی بچہ ہی تھا، انیس سال کی عمر تھی، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے آخری سانس لیا تو میں آپ کی چارپائی کے قریب کھڑا ہوا اور میں نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرکے یہ عہد کیا کہ اے خدا! آج مَیں تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر ساری دنیا بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم سے پھر جائے تب بھی میں اکیلا ہی اس سلسلہ کو قائم کروں گا اور اس تعلیم کو جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لائے ہیں پھیلاؤں گا- کسی دشمنی سے نہیں ڈروں گا اور کسی مخالفت کی پرواہ نہیں کروں گا- میں سمجھتا ہوں وہ عہد جو میں نے اُس وقت کیا میرے ان اعمال سے زیادہ شاندار ہے جن کے کرنے کا خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے موقع ملا اور میں سمجھتا ہوں یہی نیت اور ارادہ ہے جو ایمان کی علامت ہوتی ہے- جب تک انسان اس ارادہ کو لے کر کھڑا نہیں ہوتا کہ میں نہیں جانتا زید اور بکر اور عمر کیا کرتا ہے- میں یہ جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر کیا فرائض عائد کئے ہیں اُس وقت تک وہ کامیاب نہیں ہوسکتا- اگر وہ سمجھتا ہے کہ دنیا یہ نیکی کرے گی تو میں بھی کروں گا اور اگر نہیں کرے گی تو نہیں کروں گا تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ اسے خدا پر ایمان نہیں-

میں نے کئی دفعہ دیکھا ہے بعض کمزور احمدی جب نظامِ سلسلہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ان پر گرفت کی جاتی ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص نے بھی تو ایسا ہی قصور کیا تھا اسے کیوں سزا نہیں دی گئی حالانکہ اگر کسی افسر نے ایک مجرم کو سزا نہیں دی تو اس سے یہ کس طرح ثابت ہوگیا کہ تمہارے لئے بھی وہی فعل جائز ہے- اس کے معنے تو یہ ہیں کہ وہ افسر بھی گناہ گار ہے- اس سے یہ نتیجہ کس طرح نکلا کہ تمہارے لئے بھی اس فعل کا ارتکاب جائز ہوگیا ہے- پس یہ مت دیکھو کہ فلاں نے بدی کی تو اسے سزا نہ ملی بلکہ یہ دیکھو کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے- پھر جو بدی ہو اسے مت اختیار کرو اور جو نیکی ہو اسے کسی کے کہنے سے مت چھوڑو- مگر پھر بھی چونکہ جماعت میں بعض کمزور طبائع ہوتی ہیں اور ان کی نظر ہمیشہ بندوں کی طرف اُٹھتی ہے خدا تعالیٰ کی طرف نہیں جاتی اور چونکہ ان لوگوں کو بچانا بھی ہمارا فرض ہے اس لئے انہیں بچانے کا ذریعہ یہ ہے کہ کارکنوں میں ہوشیاری اور بیداری پیدا ہو- مگر میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک کارکنوں میں وہ روح پیدا نہیں ہوئی جو میں پیدا کرنا چاہتا ہوں- میں ان لوگوں کو جھوٹا سمجھتا ہوں جو کہا کرتے ہیں کہ ناظر کام نہیں کرتے مگر میں اتنا ضرور تسلیم کرتا ہوں کہ ابھی تک ہمارے ناظروں میں یہ ملکہ پیدا نہیں

ہوا کہ وہ نئے نئے کام پیدا کریں- اسلام کی ترقی کیلئے نئی نئی سکیمیں سوچیں اور افسر کا یہی کام نہیں کہ وہ دیکھے اس کے ماتحت افراد کام کرتے ہیں یا نہیں بلکہ ان کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے کام کو عمدگی سے چلانے کیلئے نئے نئے طریقے اور سکیمیں سوچیں- اگر ایک جرنیل صرف یہی دیکھتا رہتا ہے کہ دشمن کہاں سے حملہ کرتا ہے کہ میں اس کا مقابلہ کروں تو وہ کبھی کامیاب جرنیل نہیں کہلاسکتا- وہی جرنیل کامیاب ہوسکتا ہے جو نہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ دشمن کہاں سے حملہ کرے گا بلکہ وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ میں کہاں سے حملہ کروں- اسی طرح ناظروں میں سے وہی ناظر کامیاب ہوسکتا ہے جو اپنے فرائض کی بجاآوری اور اسلام کی اشاعت کیلئے نئے نئے راستے تلاش کرتا رہتا ہے- مثلاً ناظر اصلاح و ارشاد کا صرف یہ کام نہیں کہ باہر لکھا اور وہاں سے رپورٹیں آگئیں یا مبلغین کو حکم دے دیا کہ وہاں چلے جاؤ اور وہ چلے گئے بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ وہ خود ایسی راہیں پیدا کرے جن پر چل کر لوگ اسلام میں داخل ہوں اور وہ نئی نئی سکیمیں تجویز کرے- اسی طرح تربیت والوں کا یہ کام نہیں کہ اگر بعض میں لڑائی ہو جائے تو آپس میں صلح کرادیں- کوئی شخص جماعت کے وقار اور اس کی تعلیم کے خلاف حرکت کرے تو اسے سزا دے دیں بلکہ ان کا یہ کام ہے کہ اگر وہ دیکھیں کہ ہماری جماعت میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو روزے نہیں رکھتے' بعض لوگ ایسے ہیں جو نمازیں نہیں پڑھتے' بعض لوگ ایسے ہیں جو انصاف سے کام نہیں لیتے' بعض لوگ ایسے ہیں جو گالیاں دیتے ہیں' بعض لوگ ایسے ہیں جو جھوٹ بولتے ہیں' بعض لوگ ایسے ہیں جن کا معاملہ خراب ہے تو وہ دن رات یہ سوچیں کہ جماعت سے یہ بُرائیاں کس طرح دور ہوں اور اس کیلئے نئے نئے راستے نکالنے کی کوشش کریں- میں اس بات کا قائل نہیں کہ ہمیں سامان میسر نہیں- ہماری طرف سے صرف ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ کام اللہ تعالیٰ کے فضل سے خودبخود ہوتے چلے جاتے ہیں- ہاں یہ امر ضروری ہے کہ دماغ پر زور دیا جائے اور غوروفکر سے کام لیا جائے-

مَیں اپنا تجربہ ہی بیان کرتا ہوں- بیسیوں دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شام کے قریب میرے ذہن میں کوئی بات آتی ہے اور چونکہ دفتر اس وقت بند ہوتا ہے اس لئے چین نہیں آتا- سوجاتا ہوں تو دس دس منٹ کے بعد اس فکر سے آنکھ کھل جاتی ہے کہ مبادا صبح تک یہ بات ذہن سے اُتر جائے اور گو میں نے کام کی تقسیم کی ہوئی ہے اس کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے

حضور میں ایک حد تک بری الذمہ ہوں اور کہہ سکتا ہوں کہ اے خدا! یہ کام میں نے ان کے سپرد کردیا تھا اگر انہوں نے اس میں کوتاہی کی ہے تو یہ خود اس کے ذمہ دار ہیں مگر پھر بھی طبیعت بے آرامی محسوس کرتی ہے اور نیند اُڑ جاتی ہے۔ سلسلہ کے ناظروں کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنے فرائض کو سمجھیں اور کوشش کریں کہ انہیں اُس وقت تک آرام نہ آئے جب تک کہ وہ اپنے مفوضہ فرائض کو تکمیل تک نہ پہنچالیں۔ اسی طرح نائب ناظروں، افسرانِ صیغہ جات اور ہیڈ کلرکوں وغیرہ کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے کاموں میں مسابقت کی روح پیدا کریں۔ وہ شخص جو صرف بندوں کیلئے کام کرتا ہے خداتعالیٰ کیلئے کام نہیں کرتا اس کے کاموں میں برکت نہیں رہتی۔ پس ہمارے تمام کام خداتعالیٰ کیلئے ہونے چاہئیں اور اگر ہم خداتعالیٰ پر توکّل کریں تو مشکل سے مشکل کام بھی آسانی سے ہوسکتے ہیں۔ بیسیوں دفعہ میں نے دیکھا ہے کہ بعض معاملات میں عقلِ انسانی چکرا جاتی ہے لیکن دو منٹ بلکہ بعض دفعہ ایک منٹ کی دعا ہی ایک نور پیدا کردیتی ہے اور وہ امر جس کے متعلق دروازے بند نظر آتے ہیں اس کیلئے کئی دروازے کھل جاتے ہیں۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ ہر انسانی دماغ نئی سے نئی تدبیریں نکال سکتا ہے لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جو لوگ خداتعالیٰ کیلئے کسی کام کو سرانجام دینے کیلئے کھڑے کئے جاتے ہیں ان کیلئے نئے نئے راستے کھولے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [۴] وہ لوگ جو خالص ہو کر میرے لئے کوشش کرتے ہیں ہم انہیں ایک نہیں بلکہ کئی رستے دکھا دیتے ہیں۔ پس صحیح طریق یہی ہے کہ کارکن اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کریں اور ان کے جسم اور ان کی روحیں اس کی بارگاہ میں جُھکی ہوئی ہوں تب وہ خداتعالیٰ کی طرف سے برکتیں پائیں گے اور انہیں کام کیلئے وہ سامان دیئے جائیں گے جو انہیں نظر نہیں آرہے۔ پس خداتعالیٰ کی طرف توجہ کی جائے نیکی اور تقویٰ کے ساتھ کام کئے جائیں اور خشیت اللہ پر اپنے تمام کاموں کی بنیاد رکھی جائے۔ میں ناظروں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے اوقات کا صحیح استعمال کیا کریں، کام میں دلچسپی لیں اور رات اور دن اس قسم کی سکیمیں سوچیں جن کے نتیجہ میں وہ اپنے فرائض کو عمدگی سے سرانجام دے سکیں۔ اگر وہ اس امر میں کوتاہی کرتے ہیں تو گو ان کی کوتاہی سلسلہ کیلئے بھی مُضِرّ ہو مگر ان کے ایمانوں کو بھی برباد کردے گی۔

پھر کارکن بھی اپنے کام کے ذمہ دار ہیں اور ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے کاموں کو وقت

کے اندر اور جلدی ختم کرنے کی کوشش کیا کریں- بیسیوں غرباء میرے پاس شکایت کیا کرتے ہیں کہ ان کی درخواستوں پر غور نہیں کیا گیا اور گو ان میں سے اکثر غلط ہوتی ہیں مگر بعض سچی بھی ہوتی ہیں اور جب میں خود تحقیقات کرتا ہوں تو ثابت ہوتا ہے کہ بعض جگہ کارکن سختی کرتے ہیں اور لوگوں سے درشت کلامی سے پیش آتے ہیں- گو بعض حالات میں انسان سختی کرنے پر بھی مجبور ہوتا ہے- مثلاً میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ وقت ضائع کرنے کے عادی ہوتے ہیں- دو منٹ ان کو ملاقات کا وقت دیا جاتا ہے مگر جب وہ آبیٹھتے ہیں تو ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ تک اُٹھنے کا نام نہیں لیتے- سیکرٹری شور مچارہا ہوتا ہے کہ آپ کا وقت ختم ہوگیا ہے اب دوسروں کو بھی ملاقات کا موقع ملنا چاہیئے مگر وہ یہی کہتا جاتا ہے کہ مجھے تو آج ہی موقع ملا ہے میں نے انہیں نہیں چھوڑنا- پھر وہ کوئی معقول بات نہیں کرتا کہ انسان اسے سنے یونہی ایک بات دُہراتا چلاجاتا ہے- مثلاً وہ یہ بتلانا چاہتا ہے کہ اس کا فلاں سے جھگڑا ہوگیا ہے تو وہ سیدھے طور پر نہیں کہے گا کہ میرا فلاں سے جھگڑا ہوگیا ہے اس کا فیصلہ کیا جائے بلکہ وہ ایک لمبا قصہ سنانا شروع کردے گا اور کہے گا میں فلاں دن اپنے گھر سے نکلا جب گھر سے باہر آیا تو میں اپنی سوٹی بھول گیا' میں مڑ کر پھر گھر گیا تاکہ سوٹی لے آؤں- جب سوٹی لے کر چلا تو بیوی نے آواز دی کہ کھانا تیار ہے کھانا تو کھاکر جاؤ' خیر میں نے کھانا کھالیا اُٹھا تو بچی بیمار تھی' اسے پیار کیا پھر گھر سے نکلا تو راستہ میں فلاں شخص مل گیا اس سے یہ یہ باتیں ہوتی رہیں' اتنے میں جب مَیں اسٹیشن پر پہنچا تو گاڑی کا وقت ہوگیا تھا مگر گاڑی لیٹ تھی کچھ دیر وہاں ٹہلا پھر گاڑی آگئی اس میں چڑھ بیٹھا اور فلاں سٹیشن پر اُترا' جب اُتر کر میں فلاں شخص کے پاس گیا تو میں نے اس سے یہ بات کہی اس نے مجھے یہ جواب دیا اس پر بات بڑھ گئی اور لڑائی ہوگئی- وہ آدھ گھنٹہ اسی لغو قصّہ میں ضائع کردیتا ہے حالانکہ اگر وہ چاہتا تو وہ دو منٹ میں اپنے جھگڑے کا حال بتاسکتا تھا مگر وہ اتنا لمبا ذکر کرے گا کہ طبیعت اُکتاجائے گی اور اس طوالت میں اسے اتنا لطف آئے گا کہ اگر غلطی سے کہہ دے کہ میں نے گھر سے پہلے بایاں پاؤں نکالا تھا تو کہے گا نہیں نہیں مجھ سے غلطی ہوئی میں نے بایاں نہیں بلکہ دایاں پاؤں نکالا تھا- پھر پانچ منٹ کے بعد کہے گا اوہو مجھے یاد آگیا میں نے بایاں پاؤں ہی نکالا تھا حالانکہ مجھے اس بات سے کیا کہ تم نے گھر سے دایاں پاؤں نکالا تھا یا بایاں- تمہیں راستے میں روشن دین ملا تھا یا شمس الدین- تم نے جو بات کہنی ہے وہ مختصر طور پر کہہ دو مگر وہ اس لغو گفتگو میں آدھ گھنٹہ ضائع کردیتا ہے-

ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے ایک شخص کو ملاقات کیلئے وقت دیا گیا تو وہ آکر کہنے لگا کہ میں کہہ کر تو یہی آیا تھا کہ دومنٹ سے زیادہ وقت نہیں لوں گا مگر آج میں نے آپ کو چھوڑنا نہیں اور جتنا جی چاہا آپ سے باتیں کرنی ہیں۔ میں نے کہا اور لوگ بھی تو انتظار میں ہوں گے انہیں بھی ملاقات کیلئے وقت دینا ہے۔ کہنے لگا چاہے کچھ بھی ہو میں آج جی بھر کر آپ سے باتیں کروں گا۔ ساڑھے گیارہ بجے وہ ملاقات کیلئے آیا تھا دو منٹ اسے وقت دیا گیا مگر وہ میرے پاس سے ڈیڑھ بجے اُٹھا۔

یہ اس قسم کے نقائص ہیں کہ ممکن ہے اس قسم کے لوگوں سے ناظروں کو بھی واسطہ پیش آتا ہو مگر چونکہ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اس لئے ہمارا یہی طریق ہے کہ ہم انہیں سمجھاتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی آتا ہے فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۵ یعنی سمجھاتے رہو کیونکہ کبھی نہ کبھی نصیحت کارگر ہو ہی جاتی ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ لوگ غلط فہمی میں مبتلاء ہو کر سمجھ لیتے ہیں کہ ان کے ساتھ درشتی کی گئی ہے حالانکہ بات غلط ہوتی ہے۔ مجھے ہی ایک دفعہ ایک شخص نے لکھا کہ آپ نے فلاں معاملہ میں سختی کا حکم دیا ہے جو درست نہیں حالانکہ کاغذات اور مسل میں مَیں نے اس کے حق میں سفارش کی ہوئی تھی۔ پس بسا اوقات ایسے بہروں سے بھی انسان کو واسطہ پڑ جاتا ہے جیسے کہا کرتے ہیں کہ کوئی بہرا تھا وہ اپنے کسی دوست کے پاس اس کی عیادت کیلئے گیا۔ راستہ میں وہ سوچنے لگا کہ میں جاکر اس کا حال پوچھوں گا تو وہ یہی کہے گا کہ اچھا ہوں۔ میں کہوں گا اَلْحَمْدُلِلّٰہِ!۔ پھر پوچھوں گا کہ کیا کھاتے ہو اسے طبیبوں نے کھانے کیلئے کوئی مناسب غذا ہی بتائی ہوگی میں کہوں گا کہ بہت اچھی غذا ہے۔ پھر میں پوچھوں گا کہ کس کا علاج کرتے ہو وہ کسی مشہور ڈاکٹر کا نام بتائے گا۔ میں کہوں گا کہ وہ بہت قابل ڈاکٹر ہے اس کا ضرور علاج کراؤ۔ یہ سوچ کر جب وہ اس کے پاس گیا تو جاتے ہی کہنے لگا طبیعت کیسی ہے وہ کسی بات پر چڑا ہوا تھا کہنے لگا مر رہا ہوں۔ یہ بول اُٹھا اَلْحَمْدُلِلّٰہِ!۔ پھر پوچھنے لگا آپ کھاتے کیا ہیں؟ وہ کہنے لگا خونِ دل کھاتا ہوں یہ کہنے لگا بہت اچھی غذا ہے۔ یہ روز کھایا کیجئے۔ پھر اس نے سوال کیا کہ آپ علاج کس کا کراتے ہیں۔ وہ کہنے لگا ملک الموت کا۔ یہ جھٹ بول اُٹھا وہ بہت کامیاب معالج ہے۔ جہاں جاتا ہے کامیاب آتا ہے۔ غرض ایسے بہروں سے بھی دنیا میں واسطہ پڑ جاتا ہے بات کچھ اور کہی جاتی ہے اور وہ کسی اور بات پر اسے محمول کر لیتے ہیں۔

اس لئے افسرانِ سلسلہ کو میں نصیحت کرتاہوں کہ وہ خصوصیت سے اپنے اخلاق درست کریں۔ اگر ضدی لوگ آجائیں تو ان کو بھی محبت اور پیار سے سمجھانے کی کوشش کیا کریں اور پوری محنت اور اخلاص سے کام کرنے کی عادت ڈالیں۔ اس امر کی طرف خدا تعالیٰ نے وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا۔ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۶ میں اشارہ کیا اور بتایا ہے کہ مومن جب کام میں مشغول ہوتا ہے تو وہ ہمہ تن اس میں مستغرق ہوجاتا اور مشکلات پر قابو پالیتاہے۔ ایسی صورت میں اگر مخالفین کی طرف سے اعتراض بھی ہو تو دعاؤں سے اس کا ازالہ کرنا چاہیئے اور اعتراضات سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیئے۔ میں تو اعتراضات سن سن کر اتنا عادی ہوچکا ہوں کہ اب میری مثال اس عورت کی سی ہوگئی ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ پاگل تھی جب باہر نکلتی تو چھوٹے چھوٹے بچے اس کے پیچھے لگ جاتے اور اسے کنکر وغیرہ مارتے اور وہ گالیاں دیتی۔ ایک دن لوگوں نے اپنے بچوں کو سمجھایا کہ یہ ناجائز طریق ہے یہ بیچاری پاگل ہے تم اسے تنگ کیوں کرتے ہو۔ مگر یہ خیال کرکے ممکن ہے بچے اس نصیحت پر عمل نہ کریں انہوں نے گھروں میں انہیں بند کرلیا۔ دوسرے دن جب وہ پاگل عورت باہر نکلی اور اس کے پیچھے کوئی بچہ نہ دوڑا تو وہ ہر گھر پر جاتی اور کہتی آج رات تمہارے بچوں کو قولنج ہوگیا ہے کہ وہ باہر نہیں نکلے۔ کہیں جاکر کہتی آج تمہارے بچوں پر چھت گرپڑی تھی کہ وہ دکھائی نہیں دیتے۔ وہ کہنے لگے بچوں کو آزاد کردو یہ تو یُوں بھی بددعائیں دیتی ہے اور اس طرح بچوں کو ہم قید کیوں رکھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے میں نے کئی دفعہ سنا ہے کہ لوگ گالیاں دیتے ہیں تب بُرا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیوں اپنی عاقبت خراب کررہے ہیں اور اگر گالیاں نہ دیں تب بھی ہمیں تکلیف ہوتی ہے کیونکہ مخالفت کے بغیر جماعت کی ترقی نہیں ہوتی۔ پس ہمیں تو گالیوں میں بھی مزا آتاہے۔ اس لئے اعتراضات یا لوگوں کی بدزبانی کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ پنجابی میں ضرب المثل ہے کہ "اونٹ آڑاندے ہی لدے جاندے ہین۔" یعنی اونٹ گو چیختا رہتا ہے مگر مالک اس پر ہاتھ پھیر کر اسباب لاد ہی دیتا ہے۔ اسی طرح لوگ خواہ کچھ کہیں تم نرمی اور محبت سے ان سے کام لئے جاؤ اور یہ سمجھ لو کہ جب تم خدا کیلئے کام کروگے تو آسمان کے فرشتے تمہاری مدد کریں گے اور اگر آسمانی فرشتے تمہاری مدد کیلئے نہ اُتریں اور خدا کا یہی منشاء ہو کہ تم اس کی راہ میں مارے جاؤ تو پھر بھی پرواہ نہ کرو۔ غالب نے کہا ہے ؎

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اگر اس راستہ میں ہمیں موت آجائے تو اس سے زیادہ نعمت اور کیا ہو سکتی ہے۔

(الفضل ۲۴ - فروری ۱۹۶۰ء)

---

۱ تا ۳ بخاری کتاب المغازی باب قول اللّٰہ تعالٰی اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ (الخ)، سیرت ابن ھشام الجزء الثانی صفحہ ۱۲-۱۳ مطبوعہ مصر

۴ العنکبوت:۷۰

۵ الاعلٰی:۱۰

۶ النّٰزِعٰت:۲-۳